Article

The Role of Urdu Language in National Unity (In the light of complete books)

قومی یک جہتی میں اردو زبان کے کردار کے مباحث (مکمل کتب کی روشنی میں)

Dr. Sumaira Ijaz*[1]
Associate Professor, Department of Urdu Language & Literature
University of Sargodha
Dr Ragbat Shamim Malik*[2]
Chairman, Department of Urdu, Jai Parkash University, India

ڈاکٹر سمیرا اعجاز.1
ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبہ اُردو ادبیات، سرگودھا یونیورسٹی
ڈاکٹر رغبت شمیم ملک.2
چیئرمین، شعبہ اردو، جے پرکاش یونیورسٹی، انڈیا

Correspondanance: sumaira.ijaz@uos.edu.pk

eISSN:**3005-3757**
pISSN: **3005-3765**

Received: 15-10-2024
Accepted:20-12-2024
Online:25-12-2024

Copyright:© 2023 by the authors. This is an access-openarticle

Abstract: A language plays a vital role in the formation of national identity and unity It is an impressive medium of creating harmony between the sentiments and cultural features of a nation. Our impressions and reactions are always expressed in the common medium of communication i.e. national language .In Urdu, the role of our national language always remains active in our discussions. Qayyum Khizar, Zafar Adeeb, Feroz ud din Mansoor,Dr Abdul Wadood,Mohsin Bhopali,Farman Fatehpuri and Jillani Kamran presented their point of view in this regard. This article is the critical analysis of their writings which determine the role of

distributed under the terms and conditions of the Creative Common Attribution (CC BY) license

language in building national integrity and unity.

KEYWORDS: Unity, Urdu Language, Cultural harmony, Mohsin bhopali, Farman Fatahpori, Jelani Kamran

زبانیں قوموں کی زندگی کی علامت اور شناخت ہوا کرتی ہیں۔زبانوں میں زندہ رہنے کی قوت قوم کی ہم آہنگی، یگانگت، قومی جذبے، قومیت اور قومی کردار کے احساس میں مضمر ہے۔زبانیں اور قومیں ایک دوسرے کو مضبوط کرتی ہیں۔پاکستانی زبانوں کی زندگی وتابندگی، ایک قوم بننے اور ہونے کی ضامن بلکہ قوم کے قومی کردار، قومیت کی تشکیل اور قومی یک جہتی،ان زبانوں کے ذریعے ہی ممکن ہے۔اگر قومی یک جہتی کے فروغ میں اردو زبان کے کردار کے مباحث پر نظر دوڑائی جائے تو اس حوالے سے بہت سے اہم نام سامنے آتے ہیں۔ان ناموں میں قیوم خضر، ظفر ادیب ، جیلانی کامران، محسن بھوپالی،ڈاکٹر فرمان فتح پوری ،ڈاکٹر جمیل جالبی ،عبد الاحد اور محمد اسلام نشتر شامل ہیں۔قیوم خضر کی کتاب "اردو اور قومی ایکتا"اردو زبان کے قومی کردار کے حوالے سے پہلی کتاب ہے جو ۱۹۷۵ میں سامنے آئی۔"اردو زبان کا قومی کردار"از ظفر ادیب بھی اس موضوع کے مباحث میں ایک اہم اضافہ ثابت ہوئی۔۔جیلانی کامران کی کتاب "قومیت کی تشکیل اور اردو زبان "قومیت کی تعمیر میں زبانوں کے کردار کو واضح کرتی ہے۔ڈاکٹر فرمان فتح پوری کی کتاب "اردو، قومی یک جہتی اور پاکستان"اردو کو قومی یک جہتی کا ضامن قرار دیتی ہے۔ڈاکٹر جمیل جالبی اپنی کتاب "قومی زبان، یک جہتی، نفاذ اور مسائل"میں قومی زبان کے نفاذ کی مشکلات کو قومی یک جہتی میں اہم رکاوٹ گردانتے ہیں۔محمد اسلام نشتر کی کتاب "قومی زندگی میں قومی زبان کا مقام" مختلف مضامین کے ذریعے قومی زبان کے قوم کی تشکیل کے وظائف کو واضح کرتی ہے۔

سر دست مذکورہ کتب کی روشنی میں قومی یک جہتی میں اردو زبان کے کردار کا جاءزہ مقصود ہے۔قیوم خضر کی کتاب "اردو اور قومی ایکتا"قومی ایکتا کی روشنی میں اردو زبان کی مختصر جامع تاریخ کا احاطہ کرتی ہے۔قومی تصور کا سانچہ تب تک نہیں بن سکتا جب تک اسے دستوری حقوق نہ دیئے جائیں۔اس کتاب کے پانچ ابواب ہیں۔جن میں سے دوسرے باب میں قومی یک جہتی اور اردو زبان کے کردار کو موضوع بنایا گیا ہے۔آٹھویں صدی سے تیرھویں صدی تک صاحبان اقتدار اور علم وفن نے اس عوامی زبان کو کوئی اہمیت نہ دی۔اس کے فروغ اور نشوونما میں صوفیوں اور بھگتوں نے کردار ادا کیا۔صوفی شعرا نے حب الوطنی کی مثالیں پیش کیں۔اس سلسلے میں امیر خسرو پہلے شاعر تھے جن کے ہاں قوم اور وطن دوستی کا واضح تصور ملتا ہے۔کبیر

داس، سر داس، تلسی داس اور دیگر صوفی شعرا نے مشترکہ ہندوستانی تہذیب کی بنیادیں مضبوط کیں۔ مسلم دور اقتدار میں فارسی زبان کو سرپرستی حاصل رہی جب کہ عوام کی زبان اردو رہی اور جب حکومت کمزور ہوئی تو عوامی زبان نے اپنا علم بلند کیا۔

قیوم خضر اردو کو ہند مسلم تہذیب کا مشترکہ ورثہ سمجھتے ہیں۔

"میں اردو کو محض زبان ہی نہیں سمجھتا بلکہ اسے ہندو مسلم تہذیبی اتحاد کی نیاد بھی مانتا ہوں ۔ اردو بلاشبہ دروازی، آریائی، سامی، اور ہند اسلامی ورثے کی رکھوالی ہے۔ اردو وقت کی ایک مہر ہے جو کے ماتھے پر لگا دی گئی ہے۔ اردو قومی یک جہتی کا سنگ بنیاد ہے۔ اردو اس کے سوا کچھ نہیں کہ یہ نہیں کہ یہ ملک کی رنگ برنگ تہذیب، رنگ برنگ زبان، اور رنگ برنگ علاقائی علامتوں کا ایک حسین گلدستہ ہے۔ اس لسانی گلدستہ کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں ہر رنگ کے پھول ایک ساتھ اپنی پھبن اور بانکپن لیے ہوئے ملیں گے۔ ان لسانی پھولوں میں عربی، فارسی، ترکی، لاطینی، فرانسیسی، پرتگالی، چینی، سنسکرت، انگریزی، دراوڑی پالی، پنجابی، پالی، پنجابی، ہریانی، دکھنی، گویا بے شمار زبانوں کا رنگ بھی ملے گا اور خوشبو بھی ملے گی۔ اردو قومی یک جہتی، حب الوطنی، بھائی چارگی، اور دیش بھگتی کی تاریخ اور علامت ہے۔"[۱]

یہ کتاب دراصل اردو زبان کا مقدمہ کہی جا سکتی ہے۔ اس میں لسانیاتی نقطہ نظر سے اردو اور دوسری زبانوں کا تقابل کرتے ہوئے اردو کے بارے بد گمانیوں اور غلط فہمیوں کو دور کیا ہے۔ ہندو اور مسلمان دونوں نے ایک دوسرے کے مذہب کی روح، تہذیب، زبان اور معاشرت کو صاف دل سے نہیں سمجھا جس کے باعث غلط فہمیوں نے جنم لیا۔ قیوم خضر نے لسانی حوالے سے تاریخی واقعات و حالات کا جاءزہ لیتے ہوءے ایسی تعبیر پیش کی کہ ٹوٹے ہوئے دلوں کو جوڑا جا سکے۔

ظفر ادیب کی کتاب "اردو زبان کا قومی کردار" ۱۹۷٦ میں شائع ہوئی۔ اس کتاب کے چودہ حصے ہیں۔ تیرھویں حصے میں اردو زبان کے قومی کردار کو موضوع بنایا گیا ہے۔ وہ بھی اردو زبان کے خدوخال کی تشکیل میں گنگا جمنی تہذیب کو بنیاد سمجھتے ہیں۔ اردو زبان کی سب سے بڑی خوبی یہ رہی کہ یہ عوامی زبان تھی۔

ظفر ادیب اردو کے قومی کردار کا بنیادی محرک اس کا عوامی ہونا قرار دیتے ہیں۔

"آج بھی اردو کا رشتہ عوامی بولیوں سے استوار ہے، اس کے ان لکھنے والوں کے ذریعے جو مختلف عوامی بولیوں کے علاقے میں رہتے ہیں۔ شاید ہی کوءی عوامی بولی (آریائی) ایسی ہو، جس کے علاقے کے لوگ اردو کے ادیب اور شاعر نہ ہوں

۔وہ اپنی اپنی بولیوں کے روزافزوں خزانے سے اردو میں سموئے جانے والے الفاظ اور اظہار کے ذرائع لاتے رہتے ہیں۔اس طرح اردو لاتے رہتے ہیں۔اس طرح اردو کا تعلق ملک بھر کی عوامی بولیوں سے بنا رہتا ہے۔غالباً یہ بات اور اتنی کسی دوسری زبان کو نصیب نہیں،جب تک اردو کا یہ رشتہ عوامی بولیوں سے برقرار رہے گا۔اس وقت تک اس کی قوت حیات اور تازگی و شادابی قاءم رہے گی۔بلکہ بڑھتی رہے گی۔اوراس کے خزانے میں کسی بات کی کمی نہیں ہو گی۔تو ان معنوں میں اردو ارتقائی منزل میں ہے۔ہے۔ایسی ارتقائی منزل میں جو اپنے بعد ہمیشہ ایک اور ارتقاءی منزل رکھتی ہے۔"[۲]

اس کی عوامیت نے اسے مذہب سے ماورا رکھا۔یہ زبان بھی بھگتوں،سنتوں اور صوفیوں کا مزاج رکھتی ہے اور اپنی آغوش سب کے لیے کھلی رکھتی ہے۔یہ زبان اپنے ظاہر و باطن میں ہندوستانی ہے۔سب طبقات اور سب مذاہب کی یکساں طور پر زبان رہی۔خدوخال اور کردار دونوں صورتوں میں یکسانیت کی حامل ہے۔اردو زبان کے ادب میں بھی ہمیشہ عوامی رجحان غالب رہا۔میر،ہر دور میں زندہ رہے،ناسخ کے مقابلے میں آتش زیادہ بارور رہے۔میر امن اور پریم چند اس زبان کی سچی روح کے نماءندہ ہیں۔اسی عوامی دھارے نے اردو کی تشکیل کی اور کردار عطا کیا۔یہ عوامی دھارا کسی دوسری زبان کی نسبت اردو میں کہیں زیادہ ہے۔ان کے نزدیک اس کا تعلق مسلمانوں کی آمد سے نہیں بلکہ مسلمانوں کی آمد سے پہلے سے چلے آرہے فطری،نفسیاتی ماحول کا لازمی نتیجہ ہے۔

"پاکستان میں قومی زبانوں کا مسئلہ "از فیروز الدین منصور کی اہم کتاب ہے جو قومی یک جہتی میں حائل بڑے مسئلے کو حقائق کی روشنی میں سامنے لائے ہیں۔اس کتاب کے چار ابواب ہیں۔پہلا باب قومی زبان اور سرکاری زبان کے فرق کو نمایاں کرتا ہے۔دوسرا باب اردو زبان اور پاکستان کے حوالے سے قومی یک جہتی اور اردو زبان کے باہمی تعلق پر روشنی ڈالتا ہے۔چوتھا باب بہ عنوان "پاکستان کی وحدت و سالمیت اور قومی زبان" میں زبان کو قومی اتحاد کی علامت کے طور پر پیش کرتے ہیں۔
زبان کا مسئلہ لسانی مسئلہ ہے اس کا مذہب اور سیاست سے تعلق نہیں ہونا چاہیے۔وہ ایک سے زیادہ قومی زبانوں کی حمایت کرتے ہیں۔اس حوالے سے ان کا نقطہ نظر دیکھیے۔

"پاکستان کی وحدت و سالمیت جذباتی بات نہیں،وہ معاشی اور سیاسی مسئلہ ہے۔زبان سے اس قسم کے مسئلے کا کوئی واسطہ نہیں۔اگر کسی ریاست کے تمام باشندوں کی زبان ایک ہو تب بھی اس کی وحدت و سالمیت کو وہی خطرات پیش آسکتے ہیں۔جو ایک ایسی ریاست کو پیش آسکتے ہیں جہاں ایک سے زیادہ زبانیں

> بولی جاتی ہیں۔سوئٹزرلینڈ جہاں آبادی پچاس لاکھ سے بھی کم ہے۔تین قومیں رہتی ہیں اور ان تین قوموں کی مادری زبانیں اس ملک کی قومی اور سرکاری زبانیں ہیں۔تین سرکاری زبانیں ہونے کے باوجود یہ چھوٹی سی ریاست صدیوں سے موجود ہے۔اس کے باوجود یہ چھوٹی سی ریاست صدیوں سے موجود ہے۔اس کی وحدت و سالمیت بدستور باقی ہے۔"[۳]

ڈاکٹر عبد الاحد کی کتاب "قومی تعمیر کی دستاویز"۱۹۸۵ء میں شائع ہوئی۔بعد ازاں یہی کتاب "فروغ یک جہتی میں اردو زبان کا رول" کے عنوان سے ۲۰۰۷ء میں شائع ہوئی۔یہ کتاب پانچ ابواب پر مشتمل ہے۔قومیت کا جدید تصور، عالمگیر قومیت، قومی یک جہتی کا سماجی تناظر، اردو کی اتحاد پسندی، کلاسیکی ادب میں یک جہتی، سن ستاون اور اہل اردو ایسے موضوعات کا شامل کیا گیا ہے۔ان کے نزدیک قومی اتحاد کا مطلب مختلف فرقوں کا باہم قریب آنا، اور ایک دوسرے کے جذبات کا احترام کرنا ہے۔

ڈاکٹر عبد الاحد قومی یک جہتی کی تعریف اور اس کے مختلف عوامل کا تذکرہ کچھ یوں کرتے ہیں۔

> "عموما ایک رنگ و نسل، ایک مذہب و تہذیب، ایک زبان و ادب، اور ایک سرزمین و سرگزشت کے گروہ کو قوم کہا جاتا ہے۔وطن سے قطع نظر ان میں سے ہر چیز داخلی حیثیت رکھتی ہے اور اضافی مانی گئی ہے۔مگر انھیں چیزوں کی وجہ سے لوگوں کے اندر موانست کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔اسی لیے کہا جاتا ہے کہ جذبہ قومیت کا تصور سراسر داخلی ہے جس کی بنیاد نفسیاتی اور جذباتی ہوتی ہے البتہ اس کے مظاہر مثلا نسل، علاقہ، زبان وغیرہ آپس کے جوڑ کا سبب بن جاتے ہیں۔"[۴]

ان کے نزدیک قوم کا مزاج قومی کردار کی تعمیر کرتا ہے۔جذباتی ہم آہنگی کے مختلف ذرائع میں سے حب الوطنی کے ذریعے نسلی، تہذیبی، مذہبی، سیاسی اور وطنی قومیت سے بالا ہو کر سماجی قومیت کو فروغ دیا جا سکتا ہے۔انسانی رابطے کا اہم ترین فطری، نفسیاتی اور تربیتی آلہ مشترکہ قومی زبان ہوتی ہے۔ہر طبقے کی زبان کا احترام لازم ہے۔لسانی وحدت سے زیادہ انسانی وحدت ضروری ہے۔ریاست یا حکومت کی وفاداری بھی قومی یک جہتی کا اہم ذریعہ ہے ان کا تعلق سماجی عوامل سے ہے۔سیکولرزم کے تحت تمام مذاہب کا احترام کیا جائے، کامن سول کوڈ کے ساتھ قومی علامتوں کے لیے خوش گوار ماحول یا فضا پیدا کی جائے جس کے تحت سب کے دلوں میں احترام کا جذبہ پیدا ہو سکے۔

۱۹۸۶ء میں محسن بھوپالی نے ایک کتاب "قومی یک جہتی میں ادب کا کردار" کے عنوان سے مرتب کی۔اس میں بالواسطہ اردوزبان کا قومی کردار کی بحث بھی سامنے آئی ہے۔اس کتاب مین بارہ مشاہیر کے انٹریوز شامل کیے گئے ہیں۔جن ادیبوں کے انٹرویوز کیے گئے ہیں ان میں اختر حسین رائے پوری، مجنوں گورکھپوری، ابواللیث صدیقی، وزیر آغا، ہاجرہ مسرور ، افتخار جالب، سحر انصاری اور جمیل یوسف شامل ہیں۔اس کتاب کے مقدمے میں محسن بھوپالی نے اردو زبان کے قومی کردار کو موضوع بنایا ہے۔ان کے نزدیک قیام پاکستان سے قبل جو یک جہتی تھی ،بعد ازاں وہ نہ رہی اور اس مقصد کے لیے مختلف ادارے 'قومی یک جہتی کونسل'، 'بیورو آف نیشنل ری کنسٹرکشن' اور 'پاکستان نیشنل سنٹر' تشکیل دینے پڑے۔

محسن بھوپالی، قومی یک جہتی میں اردو ادیبوں کے کردار کے مختلف پہلوؤں کو بھی سامنے لاتے ہیں۔فیض احمد فیض کے حوالے سے یوں وضاحت کرتے ہیں۔

> "مجھے سکھر میں ہونے والا ایک مذاکرہ بعنوان 'ادیب اور قومی مسائل' یاد آرہا ہے جس میں ممتاز ادبا اور شعرا کے علاوہ فیض احمد فیض نے بھی شرکت کی تھی۔اس مذاکرے میں فیض صاحب نے معاشرے میں ادیب کے رول کا ذکر کرتے ہوءے کم وبیش ان الفاظ میں کہا تھا 'کتنی عجیب بات ہے کہ قومی وسائل ارباب سیاست کے تصرف میں ہوتے ہیں اور مسائل کے حل کے لیے ادیب سے کہا جاتا ہے۔' چنانچہ اس تلخ حقیقت کے باوجود ہر دور میں ادب اور ادیب نے حتی المقدور قومی یک جہتی اوراس جیسے دوسرے قومی مسائل کو ہمیشہ فوقیت دی ہے اور بساط بھر ان کے حل کے لیے اپنے قلم کے ذریعے کوشش بھی کی ہے اور ترویج و تبلیغ بھی۔سیاست کے زعم میں کیے گئے غلط اور دوررس فیصلوں کی نشان دہی بھی کی ہے اور گرفت بھی۔ادیبوں نے چاہے وہ ملک کے کسی گوشے میں رہتے ہوں، کسی زبان سے تعلق رکھتے ہوں، اپنے قلم سے ہمیشہ یگانگت، بھائی چارے اور انسان دوستی کا درس دیا ہے۔"[۵]

قومی یک جہتی کی ترویج کے لیے سیمینارز، مذاکرے، کانفرنسیں منعقد کی جائیں۔عام اخبارات سے زیادہ ریڈیو، ٹی وی سے مثبت نتائج سامنے آسکتے ہیں۔ان ذرائع کے ذریعے مقصد، افادیت اور اثرات کے بارے بتایا جاسکتا ہے۔مختلف قومیتوں ، قبائل، برادریوں اور ہم خیال افراد کے مجموعے کا نام قوم ہے۔ ان سب کی امنگوں، احساسات اور احتیاجات کے ساتھ ساتھ ان میں پائی جانے والی مشترکہ اور مختلف قدروں کا تجزیہ کرنا ضروری ہوگا۔

ڈاکٹر خاور ہاشمی نے ۱۹۸۸ء میں ایک کتاب بہ عنوان "قومی یک جہتی کا مسئلہ "تحریر کی، جس میں پہلا مسئلہ زبان کو قرار دیا گیا۔اس مسئلے کو تنگ نظری، تفرقے اور تعصب نے بڑھاوا دیا۔ دیوناگری رسم الخط کو رواج دینے کے لیے اردو زبان سے تعصب برتا گیا وہیں انگریزوں نے اپنے اقتدار کو طول دینے کے لیے ہندوؤں اور مسلمانوں کے باہمی اعتماد مین رخنہ ڈالنے کے لیے اردو ہندی کے تنازعے کا بیج بویا۔ قومی یک جہتی کے حوالے سے زبان کی اہمیت کو یوں واضح کرتے ہیں۔

> "زبان دراصل ہماری فکری و ذہنی زندگی میں کلیدی حیثیت رکھتی ہے۔زبان ہی سے سماج کی شیرازہ بندی ہوتی ہے۔ہم زبانی سے عام طور پر ذہنی ہم آہنگی اور تمدنی رشتے قائم ہوتے ہیں۔یہ کام موجودہ نظریاتی بحران کے دور میں مذہب اور عقیدوں کے داءرہ عمل سے باہر ہے۔بنگلہ دیش کے قیام سے اس کی تصدیق ہو چکی ہے۔افراد کو توڑنے اور ملانے میں زبان کا کردار بڑا اہم ہوتا ہے۔"[٦]

ڈاکٹر جمیل جالبی کی کتاب "قومی زبان: یک جہتی، نفاذ اور مسائل"۱۹۸۹ میں سامنے آئی۔اس کتاب کا دوسرا خطبہ اردو زبان کی قومی اہمیت کے حوالے سے ہے۔قوم کی حیثیت سے ہم میں وہ تمام خصوصیات رکھتے ہیں جس سے ترقی کی منزل حاصل ہوتی ہے۔لیکن یک جہتی کے فقدان کے باعث اب تک انتشار کا شکار ہیں، جب کہ ہمارے پاس مشترک رابطے کی زبان بھی موجود ہے۔انھوں نے ان مسائل کی نشان دہی بھی کی ہے جو اس یک جہتی کے راستے میں حائل ہیں۔پاکستان کی ایک فیصد آبادی ایسی ہے جس کی جڑت انگریزی زبان اور کلچر سے ہے۔جس آبادی نے اردو کا نفاذ ممکن بنانا تھا وہ خود اس میں بڑی رکاوٹ ہے۔اگر اردو کو سرکاری اور دفتری زبان بنایا جاتا تو وہ نہ صرف قومی زبان ہوتی بلکہ قوم یک جہتی کی ڈور سے بھی بندھی ہوتی۔ہم خوش قسمت ہیں کہ ہمارے پاس ایک ایسی ترقی یافتہ زبان موجود ہے جو سارے پاکستان کے طول و عرض بولی اور سمجھی جاتی ہے۔قومی مفاد اور قومی یک جہتی کا تقاضا ہے کہ اردو ہماری قومی زبان بنے۔قیام پاکستان کے لیے اسلاف نے جو جنگ لڑی اردو نے ان کا ساتھ دیا ورنہ انگریزی یہ خدمت کیسے انجام دے سکتی تھی۔کسی ملک کی مشترک زبان ہی یک جہتی، اتحاد اور محبت پیدا کرتی ہے۔وہ اس حوالے سے کچھ تجاویز بھی پیش کرتے ہیں کہ ایسے سکولوں کی تعداد بڑھائی جائے جہاں اردو ذریعہ تعلیم ہو۔معیاری درسی کتب اردو زبان میں لکھی جائیں۔اردو کو آگے بڑھانے کے لیے اردو کمپیوٹر، اردو ٹیلی پرنٹر اور اردو مشینی کتابت وغیرہ بنیادی قومی ضرورت ہیں۔اردو کو تاریخ، ادب اور عمرانی علوم کے علاوہ سائنسی علوم کی پیش کش کے لیے استعمال کرنا ہو گا۔

ڈاکٹر فرمان فتح پوری کی کتاب "اردو، قومی یک جہتی اور پاکستان"۱۹۹۲ میں شائع ہوئی۔یہ کتاب پانچ ابواب پر مشتمل ہے۔باب اول قومی یک جہتی کے پس منظر اور محرکات پر مبنی ہے اور تیسرا باب 'مسلم قومی یک جہتی کا طاقت ور محرک اردو

' کے عنوان سے ہے۔ اس کتاب کا مقدمہ جمیل الدین عالی نے لکھا۔ یہ مقدمہ طویل ہے اور موضوع سے متعلق مزید وضاحتوں پر مبنی ہے۔ وہ اردو و کو دستوری قومی زبان اور عوامی رابطے کی زبان کہتے ہیں۔ اس کے بعد اردو زبان کے قومی ہونے کے لیے مختلف دلائل پیش کرتے ہیں۔ قومی سطح کے رہنما عوام سے اردو میں مخاطب ہوتے ہیں۔ پاکستان اور بیرون ملک (جہاں پاکستانی مقیم ہیں) اردو روزنامے اور جرائد، اردو میں اشاعت پذیر ہوتے ہیں۔ تمام صوبوں میں اردو نصاب رائج ہے۔ مذہبی کتب دوسری زبانوں کی نسبت اردو زبان میں زیادہ تعداد میں چھپتی ہیں۔ ماتحت عدالتوں اور عدالت عظمیٰ میں جرح و دلائل، سرکاری دفاتر میں درخواستیں اور دستاویزات اردو میں ہیں۔ پی آئی اے کے جہازوں میں تمام اعلانات انگریزی کے ساتھ اردو میں بھی نشر ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ اردو میں دیگر علاقائی زبانوں کے الفاظ شامل ہونے سے اس کی نئ تشکیل و توسیع کا طبعی عمل پورے پاکستان میں جاری و ساری رہتا ہے۔ وہ اردو کے قومی یکجہتی کے لیے کردار کے حوالے سے مختلف اقدامات کی تجاویز بھی پیش کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک نفاذ اردو سے طبقاتی ناہمواری کی شدت میں کمی آسکتی ہے۔ دیگر علوم کے لیے مستعمل مشکل اصطلاحات کو آسان بنایا جاءے۔ مقابلے کے امتحانات اردو میں لیے جائیں۔ باہمی سیاسی پیچیدگیوں میں لسانی مسئلے پر قابو پانے کے لیے اردو کو اہمیت دی جائے۔ بنیادی طور پر یہ کتاب تحریک پاکستان کے حوالے سے اردو کے کردار کی تاریخ کہی جا سکتی ہے۔ حصول پاکستان میں مسلمانوں کی بے مثال یک جہتی کی تاریخی دستاویز ہے۔ تقسیم سے قبل ہندوستانیوں میں قومی یک جہتی پیدا کرنے یا انھیں علیحدہ قومیت کا احساس دلانے میں اردو نے جو کردار ادا کیا، اسے سامنے لاتی ہے۔ تحقیقی حوالے سے اہم کتاب ہے۔ قیام پاکستان کی وجوہ میں مذہبی، اقتصادی، اور معاشرتی عوامل کے ساتھ ساتھ اردو کا قومی زبان ہونا ایک لازمی عنصر ، تحریک کی حیثیت اختیار کر گیا تھا۔

ڈاکٹر فرمان فتح پوری، انگریزوں کے فارسی کی جگہ اردو اور دیسی زبانوں کے راءج کرنے کے پس منظری محرکات کو یوں واضح کرتے ہیں۔

> "اردو کی مقبولیت اور جامعیت کے سبب اسے کچھ عرصے کے لیے انگریزوں نے فارسی کی جگہ رائج تو کر دیا لیکن اس تبدیلی سے انھیں دھرا فائدہ پہنچا۔ ایک تو یہ کہ انھیں مسلمانوں کی ثقافتی و سماجی شیرازہ بندی کو کمزور کرنے میں آسانی ہوگئی دوسرے یہ کہ عوام سے رابطہ قائم کرنے اور اس طرح اپنی حکومت کی جڑوں کو مضبوط کرنے کا انھیں موقع مل گیا۔ علاوہ ازیں ۱۸۳۷ء اور ۱۸۳۹ء میں فارسی کی جگہ اردو کو رواج دینے کے سلسلے مین جو احکامات جاری کیے گئے تھے۔ ان میں ایسی شقیں بھی موجود تھیں۔ جن کی آڑ لے کر انگریز اپنے مقبوضہ علاقوں میں کسی بھی دیسی زبان کو رائج کر سکتے تھے۔"[۷]

ڈاکٹر فرمان فتح پوری کے نزدیک جمہوری نظام کے لیے قوم میں ذہنی، جذباتی اور ثقافتی یگانگت ضروری ہے۔ آزادی اور آزاد مملکتوں کی ترقی کی ضمانت قومی یگانگت سے مشروط ہے اور قومی یگانگت قومی زبان سے پیدا ہوتی ہے۔ وہ اردو ہندی تنازعہ کو انگریز سازش قرار دیتے ہیں بلکہ اسی عنوان سے ان کی ایک الگ سے کتاب بھی ہے۔ ان کے نزدیک قوم اور قومی زبان کے سوالات انیسویں صدی کی آخری دہائیوں میں ابھرا۔

۱۹۹۲ میں ہی ایک اور کتاب "قومیت کی تشکیل اور قومی زبان" از جیلانی کامران سامنے آئی۔ اس کتاب میں قومی زبان اردو کے کی کردار کی اہمیت کو موضوع بنایا گیا ہے۔ اس کتاب کے چار حصے ہیں۔ دوسرا حصہ اردو زبان اور ملی کردار کی ذمہ داریوں پر مبنی ہے۔ ملک میں اردو اور انگریزی دو طرز کے رائج نظام تعلیم سے پیدا شدہ صورت حال کا بھی جائزہ لیا ہے۔ موجودہ دور میں اردو کی اہمیت اور اس کے حقیقی کردار کے بارے نئ آگہی ملتی ہے۔ برصغیر کے مسلمانوں کی سیاسی جدوجہد میں اردو زبان کے کردار اور قومی شخصیت کی تعمیر کے مختلف مراحل پر روشنی ڈالی ہے۔ قومیت کے علمی تصور اور اس کے اجزائے ترکیبی پر روشنی ڈالی ہے۔ قومیت کا تصور ریاست کے بغیر ناممکن ہے۔

جیلانی کامران، قومیت کی تشکیل میں حائل مختلف مسائل کی نشان دہی کچھ یوں کرتے ہیں۔

> "قومیت کی تشکیل میں کسی ملک یا قوم کی زبان کا کیا حصہ ہے اور اس ضمن میں زبان کیا کردار ادا کرتی ہے۔ ایسے سوال ہیں جو قوموں کی تاریخ میں بہت کم پوچھے گئے ہیں۔۔۔ یہ سوال عموماً وہاں ظاہر ہوتا ہے جہاں قومیت کا مسئلہ واضح نہ ہو اور جہاں سیاسی حالات اس نوعیت کے ہوں کہ قومیت کو ایک واضح صورت کو ایک واضح صورت میں تشکیل کرنے کے لیے قوموں کو جدوجہد سے گزرنا پڑا ہو۔۔۔ تاہم ایسے ملکوں میں جہاں آزادی ایک طویل جدوجہد کے نتیجے میں ظاہر ہوئی ہے۔ زبان کے حوالے سے ایک مسئلہ یہ بھی رونما ہوا ہے کہ انگریزی زبان کا قومی زبان کے مقابلے میں کیا مقام ہے۔ یہ کیفیت برصغیر کے قومی مسائل میں نمایاں رہی ہے۔۔۔ کچھ ایسی ہی صورت علاقائی زبانوں کے مقام اور رشتوں کی بھی ہے، جن کے ساتھ رابطہ قائم کیے بغیر کسی ملک کی لسانی وحدت مستحکم نہیں سکتی۔"[۸]

جیلانی کامران نے تاریخی تناظر میں اردو کے ارتقا اور اس کے ملی کردار کو پیش کیا ہے۔ ان کے نزدیک سترھویں صدی میں تدریسی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے مقامی زبانوں مین منظوم کتب تحریر کی گ ءیں۔ اسی بنا پر مقامی زبانوں نے تمدنی سطح کو مسلمانوں کے ملی تشخص اور ملی انا کو استقامت بخشی اور اگر علاقائی زبانوں کا تہذیبی شعور نہ ہوتا قومیت کی تشکیل

میں مشکلات پیش آتیں۔۱۷۴۳ء میں مستشرق شلز نے بائبل کا اردو میں ترجمہ کیا، جو اس کا ثبوت ہے کہ اردو زبان اس وقت ایک باقاعدہ زبان بن چکی تھی اور بین الصوبائی زبان کا درجہ بھی حاصل کر چکی تھی جسے یورپین بھی سیکھ رہے تھے۔ اٹھارویں صدی میں اردو زبان کے علمی مراکز بھی بن چکے تھے جس کی نمائندہ مثال فورٹ ولیم کالج کی تھی۔ دلی کالج کے تحت مغربی علوم کی تدریس اردو میں شروع ہوئی۔ اٹھارویں صدی میں ہی قرآن کریم کا اردو ترجمہ ہوا۔ مرثیہ خوانی، مجالس محرم، جمعے کے اجتماع، وعظ، میلاد، عیدین کے خطبات کے ذریعے اردو زبان براہ راست معاشرے سے مخاطب تھی۔ ۱۸۵۷ء سے قبل مسلم صحافت کی زبان اردو تھی جو قارئین کو ملت کے حالات سے آگاہ کر رہی تھی۔ اس حوالے سے مولوی محمد باقر کے 'دہلی اردو اخبار' کا ملی کردار مرکزی حیثیت کا حامل تھا۔ ۱۸۵۷ء کے پمفلٹ اردو میں لکھے گئے۔ اس طرح پہلی بار اردو زبان نے سیاسی اعتبار سے اپنا ملی کردار نبھایا۔ غالب کے مکتوبات اور شاعری ملی وقار کے زوال کی داستان پیش کرتے ہیں۔ برصغیر میں کسی دوسری زبان کی نسبت اردو زبان مسلمانوں کے احیا کی زبان بن چکی تھی۔ علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ، تہذیب الاخلاق، آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس، سرسید کے خطبات، علی گڑھ کے دیگر اکابرین کی خدمات، حالی کے قومی موضوعات پر نظموں نے مسلمانوں کی صورت حال، تمدنی و تہذیبی زندگی کو قارئین تک پہنچایا۔ عیسائی مشنریوں کی یلغار کا سامنا کرنے کے لیے اردو میں سیرت مقدسہ کی کتب، تفاسیر اور تاویلات کے ذریعے مسلم حقانیت سے آگہی کا فرضہ انجام دے کر ملی کردار نبھایا۔ خلافت عثمانیہ اور تاریخ اندلس نے مسلمانوں کو نیا تاریخی شعور دیا۔ تاریخی شعور پیدا کرنے میں اردو زبان واحد لسانی ذریعہ تھی۔ اردو مسلم گھرانوں میں داخل ہوئی تو ملی رویوں کی تربیت ممکن ہوئی۔ تعلیم نسواں (مراۃ العروس، تہذیب نسواں) کے ذریعے عورتوں کو ملی شعور میں شامل کیا۔ اردو زبان نے تہذیبی آویزش، مسلم عظمت، رواداری، انصاف، شجاعت، اور جوانمردی کی اقدار کے ذریعے مسلمانوں کے ملی وجود اور تشخص کو محفوظ کیا۔

۲۰۰۵ء میں محمد اسلام نشتر نے ایک کتاب بہ عنوان "قومی زندگی میں قومی زبان کا مقام" مرتب کی۔ یہ کتاب ماہنامہ اخبار اردو مین اشاعت پذیر ہونے والے مضامین کا مجموعہ ہے۔ 'اخبار اردو' کا اگست ۱۹۸۷ کا شمارہ قومی یک جہتی نمبر تھا جس میں بشیر سیفی، ابو المعانی عصری، اقبال کاظمی، امداد نظامی، انجم جعفری کے مضامین نمایاں تھے۔ اسی طرح مارچ ۱۹۹۰ء اور جون ۱۹۹۵ء کا شمارے بھی بالترتیب اردو عوامی رابطہ اور قومی یک جہتی، 'قومی زبان اور عصری تقاضے' کے عنوان سے شائع ہوئے۔

مذکورہ بالا کتب میں شامل مباحث کے نتیجے میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اردو زبان کے قومی یک جہتی میں کردار کے حوالے سے مباحث کا ایک مربوط سلسلہ موجود رہا ہے۔ قومی یک جہتی میں جہاں دیگر عوامل اپنا حصہ ڈالتے ہیں وہیں زبان اپنا بڑا کردار ادا کرتی ہے۔ جذباتی اور ثقافتی ہم آہنگی میں زبان سب سے زیادہ موثر آلہ ٹھہرتی ہے۔ جذباتی ارتکاز، یکساں ذریعہ اظہار کے بغیر ناممکن ہوتا ہے۔ وسیلہ اظہار کے لیے مشترک رابطے کی زبان ہی احساساتی ہم آہنگی پیدا کرتی ہے، اس کے علاوہ

ذرائع ابلاغ میں فوری تاثر یا رد عمل بھی مشترک رابطے کی زبان ہی اہم ہوا کرتی ہے۔اس تناظر میں قومی یک جہتی کا سب سے بڑا ذریعہ اور وسیلہ زبان ہی ہے اور اس بحث کے حوالے سے اردو تنقید ثروت مند ذخیرہ رکھتی ہے۔

حوالہ جات

۱۔ قیوم خضر، اردو اور قومی ایکتا، پٹنہ: اشارہ پرکاشن، ۱۹۷۵ء، ص ۳۶

۲۔ ظفر ادیب، اردو زبان کا قومی کردار، دہلی: اعلی پریس، ۱۹۷۶ء، ص ۲۹۷۔۲۹۸

۳۔ فیروز الدین منصور، پاکستان مین قومی زبانوں کا مسئلہ، لاہور: قومی دار لاشاعت، سن ندارد، ص ۴۶

۴۔ ڈاکٹر عبد الاحد، فروغ قومی یک جہتی میں اردو زبان کا رول، بنگلور: وحدت انسانیت فاونڈیشن، ۲۰۰۷ء، ص ۳۳۳

۵۔ محسن بھوپالی، قومی یک جہتی میں ادب کا کردار، کراچی: مکتبہ فکر و نظر، ۱۹۸۶ء، ص ۱۲

۶۔ ڈاکٹر خاور ہاشمی، قومی یک جہتی کا مسئلہ، دہلی: مکتبہ لوح و قلم، ۱۹۸۸ء، ص ۱۸۔۱۹

۷۔ ڈاکٹر فرمان فتح پوری، اردو، قومی یک جہتی اور پاکستان، کراچی: انجمن ترقی اردو، ۱۹۹۲ء، ص ۲۱

۸۔ جیلانی کامران، قومیت کی تشکیل اور اردو زبان، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۹۲ء، ص ۷